الایام: مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ وثقافت، کراچی جلد:۳، شمارہ:۲، جولائی۔دسمبر۲۰۱۲ء

تبصراتی مقالہ

پوشیدہ تری خاک میں۔۔۔

کتاب: پوشیدہ تری خاک میں۔۔۔(سفرنامہ اندلس) مصنف: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

ناشر: ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور طبع ثانی: اگست ۲۰۱۱ء

صفحات:۳۰۴ قیمت:۳۰۰

تبصرہ: نگار سجاد ظہیر

اندلس جنوب مغربی یورپ کے آخری سرے کا وہ جزیرہ نما (شبۃ الجزیرہ) ہے جس میں آج کل اسپین اور پرتگال کے نام سے وہ الگ مما لک جداگانہ حکومتوں کے ساتھ واقع ہیں۔ اسے ہم براعظم یورپ کا باب الاسلام کہہ سکتے ہیں۔

عرب مسلمانوں کے یورپ میں اولین قدم اموی عہد میں پہنچے ۷۱۱ء عسکری اعتبار سے ایک کرشماتی سال ہے۔ جب ولید بن عبدالملک کی حکومت تھی اور خلافت کی افواج چار محاذوں پر برسر پیکار تھیں۔ محمد بن قاسم اپنی بارہ ہزار کی فوج کے ساتھ سندھ اور ملتان کی فتوحات میں مصروف تھا، قتیبہ بن مسلم باہلی اپنی فوج کے ہمراہ ترکستان کے محاذ پر داد شجاعت دے رہا تھا، ابن مروان سالانہ بنیادوں پر لڑی جانے والی

سرحدی جنگوں میں بازنطینیوں سے نبرد آزما تھا اور طارق بن زیاد اپنی بارہ ہزار کی فوج کے ساتھ مغربی ملک اندلس میں مصروف جنگ تھا جس نے حیرت انگیز سرعت سے، جو کہ افسانوی معلوم ہوتی ہے، پورے ملک پر قبضہ کرلیا اور اندلس اموی خلافت کا ایک صوبہ بن گیا اس کی یہ حیثیت اموی خلافت کے خاتمے تک رہی۔

۷۵۰ء میں جب بنوامیہ کے خلاف بنوعباس برسر اقتدار آگئے تو ان کی داروگیر، دہشت گردی اور پکڑ دھکڑ سے بچ کر فرار ہونے والا نوجوان عبدالرحمٰن بن معاویہ جو کہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا تھا، سات سال بعد اندلس میں اپنی امارت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا یہ سات سال فرار اور پناہ، خوف اور امید، عزم اور جدوجہد کے سال ہیں۔ معلوم نہیں کسی نسیم حجازی نے ان سالوں کو اپنے کسی ناول کا موضوع کیوں نہ بنایا۔ شائد اس وجہ سے کہ اس کی حیثیت خلافت عباسیہ کے باغی کی تھی۔

عبدالرحمٰن الداخل نے اندلس میں عباسی خلافت کے علی الرغم اپنی امارت قائم کی۔ اس دور امارت میں آٹھ امیر آئے اور آٹھویں امیر عبدالرحمٰن الناصر نے اپنی امارت کے سولہویں سال اپنی خلافت کا اعلان کردیا یہ خلافت کم وبیش ایک صدی تک قائم رہی پھر طوائف الملوکی کا طویل دور ہے یہاں تک ۱۴۹۲ء میں غرناطہ کے زوال کے ساتھ ہی اندلس میں مسلمانوں کی حکومت اور اقتدار کا باب ختم ہوگیا۔ چھ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی اندلس کی یاد مسلمانوں کے دلوں میں زندہ ہے اور کتنے ہی طالع آزما اس سرزمین کا رخ کرتے ہیں اور اندلس کی اجنبی فضاؤں میں مسلم عہد کو سونگھتے، کھوجتے، سوچتے اور محسوس کرتے ہیں۔ بعض نے اپنے ان اسفار کو سفرنامہ کی شکل بھی دی۔

اندلس پر لکھے جانے والے سفرناموں کے حوالے سے رفیع الدین ہاشمی صاحب کا ایک مضمون اور جامعاتی سطح پر ایک تحقیق کی جاچکی ہے، [۱] وہ راقمہ کی نظر سے نہیں گزری تاہم اندلس پر لکھے جانے والے چند معروف سفرنامے یہ ہیں:

☆ محمد حمزہ فاروقی، 'آج بھی اس دیس میں'، (مکتبہ اسلوب کراچی، ۱۹۸۲ء)

☆ رفیق ڈوگر، اندلس کی تلاش میں، (لاہور، ۱۹۸۸ء)

☆ مستنصر حسین تارڑ، اندلس میں اجنبی، (سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، ۱۹۸۹ء)

☆ اے حمید، قرطبہ کی خاموش اذانیں، (غالب پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۲ء)

☆ محمد تقی عثمانی، اندلس میں چند روز، (ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۹۳ء)

☆ ڈاکٹر صہیب حسن، لندن سے غرناطہ، (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۹۹۴ء)

☆ قمر علی عباسی، قرطبہ قرطبہ، (ویلکم بک پورٹ، کراچی، ۱۹۹۹ء)

☆ وحید الدین خان، سفرنامہ اسپین و فلسطین، (دارالتذکیر، لاہور، ۱۹۹۹ء)

ضیاء اللہ کھوکھر کی مرتب کردہ فہارس الاسفار میں اندلس کے نو سفرناموں کا اندراج ہے جس میں منظور الٰہی کی نیرنگ اندلس کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ۲ نیرنگ اندلس سفرنامہ تو نہیں لیکن اسپین کی تاریخ پر بہترین ادبی تخلیق کہی جاسکتی ہے۔

اندلس (اسپین) واحد یورپی ملک ہے جہاں مسلمان سات سو سال تک برسر اقتدار رہے، اس سرزمین پر مسلمان حکمرانوں کی قائم کردہ کئی ایسی یادگاریں ہیں جو آج بھی تاریخ سے شغف رکھنے والوں کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ابن بطوطہ کے لیے تو یہ ایک مقدس سرزمین تھی وہ لکھتا ہے ''اندلس میں رہنے اور ٹھہرنے کا بھی ثواب ہے''۔ ۳ فقہا اس بیان کو جس طرح بھی لیں بہرحال بہت سے مسلمان شعراء، ادباء، مورخین اور محققین کو اندلس نے اپنی طرف کھینچا ہے۔

انہی شعراء میں علامہ اقبال بھی تھے۔ جن کی نظموں نے مغربی ملک اندلس کے شہروں خصوصاً قرطبہ، غرناطہ اور اشبیلیہ کو ہندوستان میں معروف کیا۔ مشہور ماہر اقبالیات ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے دل میں بھی سیاحت اندلس کی چنگاری کلام اقبال کی وجہ سے سلگی جسے بعض عوامل ہوا دیتے رہے۔ یہاں تک کہ قرطبہ میں ہونے والی بین الاقوامی اقبال کانفرنس نے بلاخر انہیں یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ چند دن اس اندلس میں گزار سکیں جس کے بارے میں اقبال کی خوبصورت نظم سلسلہ روز و شب۔۔۔ اردو دان مسلمان طبقہ کے دل میں اندلس کو ایک زخم کی صورت زندہ رکھے ہوئے ہے۔

پوشیدہ تری خاک میں۔۔۔ ڈاکٹر ہاشمی کا پہلا سفرنامہ ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۲ء کے اوائل میں شائع ہوا۔ زیر نظر دوسرا ایڈیشن اگست ۲۰۱۱ء میں طبع ہوا۔ جس میں حسب ضرورت مصنف نے نظر ثانی اور اضافے کئے ہیں۔ یہ سفر قرطبہ میں ہونے والی اقبال کانفرنس (نومبر ۱۹۹۱ء) میں شرکت کے لئے کیا گیا

تھا۔ اولاً یہ روداد سفر نامہ اندلس کے نام سے مجلّہ نقوش (شمارہ ۱۹۹۶ء) میں شائع ہوئی تھی اس پر نقوش ایوارڈ بھی ملا، اس زیر نظر ایڈیشن میں بعض ترامیم اور اضافے بھی کئے گئے ہیں۔ اس کے آخر میں بطور ضمیمہ پیرس میں گزرے دنوں کا تذکرہ بھی ہے۔

اس سفر نامہ میں اندلس کے تین بڑے شہروں قرطبہ، غرناطہ اور اشبیلیہ کے تفصیلی حالات ملتے ہیں۔ دوران سیاحت جگہ جگہ شاعر مشرق کو یاد کیا گیا ان کے اشعار کو برموقع استعمال کیا گیا ہے۔ جس نے سفر نامہ کی ادبی جہت کو اجاگر کیا ہے۔ ایسا کئی دوسرے سفر نامہ نگاروں نے بھی کیا ہے جو اندلس گئے اور جگہ جگہ اقبال کو یاد کیا اور ان کے اشعار سے اپنے سفر نامہ کو ایک کرب آمیز ادبی آہنگ دیا۔ اس سفر نامہ میں ڈاکٹر ہاشمی کی اپنی سرگزشت بھی ہے اور ہم سفروں کا ذکر بھی۔ کچھ جلوہ ہائے گریزاں اور کچھ لذت زخم جگر بھی۔ کتاب کے آخر میں فرانس میں چند روز کے عنوان سے ایک ضمیمہ ہے جس میں چار تا دس دسمبر ۱۹۹۱ء کے احوال ہیں اور جس کا حاصل ڈاکٹر حمید اللہ سے ان کی ملاقات ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اردو کے ان اساتذہ میں سے ہیں جنہوں نے انتھک پڑھا اور پڑھایا اور بے تکان لکھا۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۱۱ء تک یعنی ۳۷ سالوں میں ان کی چالیس کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع تو نہیں لیکن یہ اعداد و شمار اردو ادب اور اقبالیات سے ان کی عاشقانہ وابستگی کا اظہار ضرور ہیں۔

سفر نامہ اردو ادب کی صنف تو ہے ہی معاشرتی تاریخ بھی ہے۔ اس فریم ورک میں سارے ہی سفر نامے جگہ نہیں پاسکیں گے۔ بعض سفر نامے محض تاثراتی اور کیفیاتی ہوتے ہیں۔ جس میں سیاح اپنی ذات کے حوالے سے ماحول کو دیکھتا ہے۔ اردو ادب میں ایسے کئی سفر نامے لکھے گئے ہیں جو خالص ذاتی نوعیت کے ہیں اور جن میں مصنف یعنی سیاح واحد متکلم کے دائرے میں محدود رہ کر محض شخصی حوالوں سے بات کرتا ہے۔ ایسے سفر ناموں کا دائرہ اثر محدود اور عمر کوتاہ ہوتی ہے لیکن وہ سفر نامے جنہیں ہم معاشرتی تاریخ کے حصے میں جگہ دیتے ہیں ان میں سیاسی و سماجی تاریخ ادب کے پہلو بہ پہلو چلتی نظر آتی ہے۔ یہ وہ سفر نامے ہیں جن میں پیش کردہ معلومات سے مورخین اور ماہرین عمرانیات یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ڈاکٹر ہاشمی کے دونوں سفر نامے یعنی زیر نظر سفر نامہ اندلس اور سفر نامہ جاپان 'سورج کو ذرا دیکھ' بالترتیب اندلس اور جاپان کی سماجی تاریخ کا ماخذ سمجھے جاسکتے ہیں۔

کتاب کے ابتدائی تقریباً ساٹھ صفحات لاہور سے کراچی، کراچی سے بحرین، بحرین سے فرینکفرٹ (جرمنی)، فرینکفرٹ سے اسپین کے دارالحکومت میڈرڈ اور پھر میڈرڈ سے اشبیلیہ، اشبیلیہ سے قرطبہ تک کے سفر کی روداد ہے۔ اس کے بعد کانگریس کی روداد، دنیا بھر سے آئے ہوئے ۲۴ ممالک کے مندوبین کا تذکرہ، ملاقاتیں، مکالمات، پڑھے جانے والے مقالات، اور یادداشتوں کا تذکرہ ہے۔ کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو تہذیبی طور پر ملکوں کو جوڑتی ہیں۔ علامہ اقبال انہی میں سے ایک ہیں۔

سفرنامہ نگار (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی) کے قلم کا زور بیان اور ذوق اظہار قاری کو اپنے پیچھے پیچھے چلنے پر مجبور کر دیتا ہے اور قاری کہیں خوش، کہیں بے چین اور کہیں اداس ہوتا رہتا ہے۔ زیر نظر سفرنامہ میں بے چینی کے بھی کئی مراحل آتے ہیں مثلاً جب یہ تین رکنی قافلہ (جس کے امیر محمد سہیل عمر تھے اور باقی دو حضرات یعنی ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور اقبال اکیڈمی کے سابق ڈائریکٹر پروفیسر محمد منور تھے) میڈرڈ اترا اور اشبیلیہ روانہ ہو گیا۔ شائد یہ جلدی اس لئے تھی کہ کانگریس شروع ہو چکی تھی اور ان حضرات کو قرطبہ پہنچنے کی جلدی تھی ورنہ کوئی میڈرڈ جائے اور اسکوریل لائبریری نہ دیکھے، خاصی بدذوقی کی بات ہے۔

اسکوریل ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں سب سے زیادہ قابل ذکر مقام اسکوریل لائبریری ہے۔ محمد حمزہ فاروقی اپنے سفر اندلس کے دوران جو انہوں نے فروری ۱۹۷۹ء میں کیا، اسکوریل لائبریری کے بارے میں خاصی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ان کے مطابق اس لائبریری میں چالیس ہزار کے لگ بھگ قرون مظلمہ (Dark Ages)، دور نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور سترہویں صدی کے مخطوطات اور مطبوعات محفوظ ہیں۔ یہاں دو ہزار کے قریب عربی مخطوطات ہیں جو دور احتساب (Inquisition) کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہ گئے تھے۔ یہ درحقیقت مراکش کے سلطان کی لائبریری کا ایک حصہ تھا جو ہسپانوی بحری قزاقوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ ان سے ہسپانوی حکمرانوں نے یہ ذخیرہ حاصل کیا اور یہاں محفوظ کر دیا۔ لائبریری کا ایک حصہ سیاحوں کے لئے مخصوص ہے لیکن بڑا حصہ محققین کے لئے ہے۔ کتابوں کی جلدیں عمدہ چمڑے کی ہیں جن پر سونے کے پانی کا خوبصورت کام ہوا تھا ان کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ [۵] لائبریری میں گھومتے ہوئے وہاں کے ماحول کے بارے میں کہتے ہیں ''لائبریری میں ماحول اس انداز کا تھا کہ گویا جیسے ابھی سترہویں صدی کا کوئی راہب بغل میں چند کتابیں لے کر آ نکلے گا۔ اس کے در و دیوار سے قدامت اور عظمت کا اظہار ہوتا تھا۔ پرانی وضع کا فرنیچر، دیواروں پر مصوری کے شاہکار اور طویل و عریض

کھڑکیوں کے نزدیک خوبصورت Tapesteries لٹک رہی تھیں۔ ۶

اشبیلیہ سے قرطبہ جاتے ہوئے ڈاکٹر ہاشمی کا تین رکنی قافلہ قرمونہ (Carmona) سے گزرا۔ دوسرے ایڈیشن میں حاشیہ میں اضافہ کرتے ہوئے ہاشمی صاحب لکھتے ہیں غالباً یہ وہی قرمونہ ہے جہاں عبدالرحمٰن الداخل نے عباسیوں کے بھیجے ہوئے لشکر کو شکست دی اور ''صقر قریش'' کا لقب پایا۔ ۷

غالباً نہیں بلکہ یقیناً قرمونہ ہی وہ جگہ ہے جہاں عبدالرحمٰن الداخل نے عباسیوں کے خلاف انتہائی فیصلہ کن معرکہ سر کیا تھا۔ یہ انتہائی فیصلہ کن جنگ تھی عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے علاء بن مغیث یحصبی کو جو افریقہ کے ممتاز قائدین میں سے تھا، اندلس پر حملہ آور ہونے کی ترغیب اور ''باغی خلافت'' کے خاتمے پر آمادہ کیا۔ عبدالرحمٰن الداخل کو اندلس میں اپنی امارت قائم کئے ہوئے نواں سال تھا جب علاء اسپین میں داخل ہوا۔ مغربی اندلس کا شہر باجہ اس کا آبائی علاقہ تھا یہاں اس نے عباسیوں کے سیاہ علم کو بلند کر کے مقامی لوگوں سے ابوجعفر المنصور کے لئے بیعت لینی شروع کر دی۔ اس نے عبدالرحمٰن کو خلافت کا باغی قرار دیا، چند ماہ کی کوششوں سے ایک کثیر خلقت عباسیوں کے سیاہ علم کے نیچے جمع ہوگئی اور علاء امیر عبدالرحمٰن الداخل سے مقابلے کے لئے بھاری فوج لے کر نکلا، خبر کے ملتے ہی عبدالرحمٰن الداخل اپنے چند سو سواروں کے ساتھ قرطبہ سے نکلا اور اشبیلیہ سے ہوتا ہوا قرمونہ پہنچنا چاہتا تھا۔ قرمونہ بلندی پر تھا اور قدیم زمانہ سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ بالآخر عبدالرحمٰن کی تیز رفتاری رنگ لائی اور وہ علاء سے پہلے قرمونہ پہنچ کر قلعہ بند ہوگیا۔ اس کے ساتھ صرف سات سو سوار تھے۔ علاء کی ہزاروں کی فوج نے قرمونہ کا محاصرہ کر لیا۔ دو مہینے اسی محاصرے میں گزر گئے۔ قرمونہ سے ایک راستہ اشبیلیہ کی طرف جاتا تھا، قلعہ قرمونہ کے اس دروازے کو ''باب اشبیلیہ'' کہتے تھے۔ اس وقت اشبیلیہ کا گورنر عبدالرحمٰن کا مقرر کردہ اور اس کا دست راست ایک اموی تھا لہٰذا اسے محاصرے کے طول کھنچ جانے سے کوئی پریشانی نہیں تھی البتہ علاء کے لشکری طوالت محاصرہ کے باعث تنگ آ کر اسے چھوڑ چھوڑ کر جانے لگے۔ جب ان میں عام انتشار اور بددلی پھیل گئی تو عبدالرحمٰن نے باب اشبیلیہ پر ایک آگ جلوائی اور اپنے سات سو سپاہیوں کو تلواریں بے نیام کرنے کا حکم دیا اور سب کی نیامیں آگ میں جھونک دیں۔ اس کے بعد اس جماعت نے علاء کی فوج پر شب خون مارا اور سات ہزار عباسیوں کو تہہ وتیغ کر دیا۔ اس کے بعد کبھی عباسیوں نے اندلس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ۸

قرطبہ جسے جرمنی کی شاعرہ ہروس وتھا ''عروس عالم کا زیور'' کہتی ہے اور ابن بطوطہ اپنی عجائب الاسفار میں اسے تمام شہروں کی دلہن کہتا ہے۔ ۹ میں ایک سیاح کے لیے بہت کچھ ہے جس میں مسجد قرطبہ اور مدینۃ الزہرا سرفہرست ہیں۔ مدینۃ الزہرا وہ شہر ہے جو چالیس سال تک تعمیر ہوتا رہا اور فقط چالیس سالوں بعد دور طوائف الملوکی میں کھنڈر بن گیا۔

قیام قرطبہ کے دوران ڈاکٹر ہاشمی ایک سے زائد مرتبہ مسجد قرطبہ کی زیارت کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

''جس شخص نے بھی علامہ اقبال کی نظم پڑھ رکھی ہو اس کے لیے مسجد کو دیکھتے ہوئے نظم کے خالق کو یاد نہ کرنا ممکن نہیں۔ مسجد، اقبال اور ان کی نظم ایک ہی سلسلے کی تین کڑیاں ہیں۔ ایک مثلث کے تین زاویے۔ مسجد ایک لافانی نظم کی تحقیق کا محرک ہوئی۔ یہ نظم ہی بر عظیم اور بعد ازاں بیرونی دنیا میں مسجد کا ذریعۂ تعارف وشہرت بنی۔ اس طرح یہ اقبال کی شاعرانہ عظمت کا ثبوت ہے اور ان کے لیے وجۂ افتخار بھی۔ قرطبہ کی متذکرہ بالا اقبال کانگریس، اسی شاہکار نظم کی مرہونِ منت ہے۔ یہ حوالہ نہ ہوتا تو کانگریس، قرطبہ کے بجائے شائد پیرس یا اشبیلیہ میں منعقد کی جاتی''۔ ۱۰

سفرنامے کو پڑھتے ہوئے اس عربی میراث کا بار بار احساس ہوتا ہے جس میں آج کا اندلس بھی مبتلا ہے مثلاً زیتون، نارنگی، انجیر، کھجور کے باغات، اہل اسپین کی ملنساری، گرم جوشی اور مہمان نوازی جو یورپ کی دوسری اقوام سے زیادہ ہے۔ عرب میراث ہی کی بدولت ہے عربوں کے یہاں مہمان نوازی ایک قومی شعار کے طور پر نظر آتی ہے۔ حیرت انگیز تمدنی ترقیاں تو اسپین سے یورپ پہنچیں، کھانے میں چھری کانٹے کا استعمال، گرمیوں میں ہلکے رنگوں کے کپڑے اور سردیوں میں گہرے رنگوں کے کپڑوں کا انتخاب، نشست و برخواست کے آداب، عوامی حمام (Arabian Bath) تعمیرات میں محرابیں اور یقیناً آج کا کام کل پر ڈالنے اور دوپہر کے کھانے کے بعد طویل قیلولہ۔۔۔ یہ سب عرب میراث کے مختلف رنگ ہیں۔

اسی حوالے سے ایک واقعہ اہم ہے جب مصنف نے غرناطہ کی مسجد تقویٰ میں عشاء کی باجماعت نماز ادا کی۔ امام صاحب، جن کا تعلق موریطانیہ سے تھا، نے مالکی انداز سے نماز پڑھائی۔ ایسا ہی ہونا تھا، اندلس صدیوں فقہ مالکی پر کاربند رہا۔ یہ مالکی فقہ دوسرے اموی امیر ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل کے زمانے میں اندلس میں متعارف و مروج ہوا۔ امیر اندلس ہشام، حضرت مالک بن انس کا ہم عصر تھا۔ اندلس سے

طالبان علم اور حجاج کرام حصول علم یا ادائیگی حج کے لئے حرمین کا سفر کرتے تھے۔ اس وقت امام اہل مدینہ حضرت مالک تھے۔ لہٰذا یہ طالبان علم حضرت مالک کے دروس میں شریک ہوتے۔ امام مالک کو بھی اندلسی طلبہ سے ہشام کے حالات معلوم ہوتے رہتے۔ ہشام کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی باتیں سن کر امام مالک اس کی تحسین کرتے۔ وہ خلفاء بنوعباس سے سخت ناراض تھے کیونکہ عباسیوں نے ان پر علویوں کی حمایت کا الزام لگا کر جسمانی سزائیں دی تھیں۔ امام مالک غائبانہ ہشام کو پسند کرنے لگے۔ وہ کہا کرتے کاش اللہ ہمارے موسم کو ہشام جیسے امیر کے ورود سے رونق بخشتا۔ یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ اندلس کا کوئی بھی امیر یا خلیفہ حج کی سعادت سے بہرہ مند نہ ہوسکا کیونکہ وہ حرمین، جہاں عباسیوں کا اقتدار تھا، کا سفر نہیں کرسکتے تھے۔ ہشام امام مالک کے اس جذبہ پسندیدگی کا اتنا قدردان نکلا کہ اس نے اپنے ملک میں مالکی مسلک کی اشاعت شروع کردی۔ وہ طلبہ کو وظائف دیتا تاکہ وہ مدینہ جاکر امام مالک سے تعلیم حاصل کریں، اندلس کے محکمہ قضاء میں بھی مالکی مسلک کے فقہا کو فائز کیا جاتا اس سرکاری سرپرستی کی وجہ سے پورے اندلس میں فقہ مالکی، امام مالک کی زندگی ہی میں رائج ہوگیا۔

غرناطہ جو چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں اسپین کے مسلمانوں کی آخری پناہ گاہ تھا وہاں کا قصر الحمراء سب سے عظیم سیاحتی مقام ہے۔ غرناطہ میں الحمراء کی سیر کے دوران مصنف لکھتے ہیں:

''یہاں مجھے واشنگٹن ارونگ (۱۷۸۳ء-۱۸۵۹ء) یاد آتے ہیں جنھوں نے ان توہمات کو بڑی خوبصورتی سے کہانیوں کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ان کہانیوں میں شاہ ابوعبدل، شاہی پوشاک اور لعل و یاقوت سے دمکتا تاج پہنے مشکی گھوڑے پر سوار، رات کے وقت کسی پہاڑی کے عقب میں نمودار ہوتا ہے۔ کہیں وہ اپنے درباریوں کے درمیان ایوانِ خاص میں تخت پر جلوہ گر نظر آتا ہے، کہیں کسی کہانی کا کردار بتاتا ہے کہ ابوعبدل اور اس کا لشکر پہاڑ کے نیچے ایک طلسم کی بدولت جوں کا توں موجود ہے اور جس فوج نے غرناطہ کی آخری لڑائی کے بعد ہتھیار ڈالے تھے، وہ ایک موہوم اور خیالی فوج تھی جس نے عیسائی بادشاہوں کو دھوکے میں ڈال دیا تھا۔ یہی کردار آگے چل کر بتاتا ہے کہ سارا اسپین ایک طلسمی شکنجے میں ہے اور اس ملک کا کوئی ویران قلعہ، کوئی غار اور کوئی مینار ایسا نہیں جس میں کوئی نہ کوئی عرب لشکری سیکڑوں برس سے نہ سو رہا ہو۔ جب تک ان کے وہ گناہ نہیں

ڈھل جاتے، جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسپین کی سلطنت مسلمانوں سے چھین کر عیسائیوں کو دے دی تھی، اس وقت تک وہ اسی طرح سوتے رہیں گے اور جب خدا کا حکم ہوگا تو ایک غار میں چھپا ہوا ابوعبدل اپنی فوج لے کر ان پہاڑوں سے نکلے گا اور الحمراء میں اپنے تخت پر جلوہ گر ہوگا اور غرناطہ پر دوبارہ قبضہ کرلے گا۔ اس کے بعد وہ اسپین کے ہر حصے سے اپنے لشکری جمع کرے گا اور پورے ملک کو فتح کرکے مسلمانوں کا اقتدار پھر سے بحال کردے گا''۔ [۱۱]

اس طرح کے طلسماتی اور دیو مالائی قسم کی روایات عموماً شکست خوردہ قوموں میں رواج پا جاتی ہیں۔ تاہم خصوصاً اسپین کے حوالے سے اس دیو مالائی قصے کے پیچھے راڈرک کی فوج کا طالع آزما گا تھک افسر پلائیو کی داستان چھپی ہوئی ہے۔ جب طارق بن زیاد نے اندلس فتح کرلیا تو راڈرک کی شکست خوردہ فوج کا ایک آزمودہ کار گا تھک جرنیل پلائیو (Pelayo) بھاگ کے اندلس کے انتہائی شمال مغربی حصے جلیقیہ (Galicia) چلا گیا۔ کچھ اور فراری بھی وہاں پہنچے اور تقریباً تین سو کی جمعیت فراہم ہوگئی۔ پلائیو نے ایک پہاڑ کی کوہ میں جس کا نام کووادونگا (Couadonga) تھا اور جس کو عرب ''صخرۂ بلائی'' کہتے تھے۔ [۱۲] اپنا مرکز بنا کر اندلس کے عیسائیوں کی تنظیم نو اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگیا۔ یہ لوگ مچھلیاں پکڑ کر کھاتے اور قریب بہنے والی نہر کا پانی استعمال کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس اجتماع کی خبر سن کر عیسائی مذہبی جوش وخروش سے سرشار اس علاقے میں جمع ہونے لگے اور یہ علاقہ اندلس میں نظریاتی عیسائیوں کا اچھا خاصا گڑھ بن گیا۔ مسلمان والیوں نے اس دور دراز، دشوار گزار علاقے کی طرف بالعموم بہت کم توجہ دی لہٰذا اس جگہ پلائیو کی باقاعدہ تخت نشینی کی رسم انجام پائی اور وہ اندلس کے اندر اس نوزائیدہ عیسائی ریاست کا پہلا فرماں روا قرار پایا۔ اس کی حدود حکومت ابتداً پانچ میل لمبے اور تین میل چوڑے علاقے تک محدود تھی۔ [۱۳] لیکن دراصل یہ اندلس کی ''فتح ثانی'' کا سنگ بنیاد تھا اس کے بعد عیسائیوں کی سات سو سالہ تگ وتاز ہے بالآخر وہ اپنے فتح ثانی کے خواب یا منصوبے کو شرمندہ تعبیر کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

سفرنامے میں ایک ہسپانوی مسلمان موسیٰ طہٰ کا یہ کہنا:

We have gathered in Granada, because Islam ended here. Now we intend to begin it from here.

(ہم غرناطہ میں جمع ہوگئے ہیں یہیں اسلام کے ایک دور کا خاتمہ ہوا تھا اب ہماری تمنا ہے کہ دور نو کا آغاز یہیں سے ہو)۔ [۱۴]

یہ ایک ہسپانوی مسلمان کی خواہش تو ہوسکتی ہے لیکن آج کی دنیا میں اس کا امکان نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ فرانس میں مسلمان بالاخر قابل ذکر سیاسی قوت بن جائیں لیکن اسپین کے حوالے سے تو خواب بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔

زیرنظر سفرنامے کی چند خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ پروف کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ سوائے صفحہ ۱۹۴ میں ۱۱۷۱ء کی جگہ ۱۱۷۰ء چھپ گیا ہے نیز صفحہ ۱۶۷ پر انگلش کی عبارت میں to کو ot لکھا گیا ہے، پوری کتاب میں پروف کی کوئی غلطی کم از کم راقمہ کی گرفت میں نہیں آسکی۔

بالعموم سفرناموں میں اشاریہ سازی کی زحمت نہیں اٹھائی جاتی تاہم زیرنظر سفرنامے میں اٹھارہ صفحات کا اشاریہ شامل ہے۔ اسی طرح ابوالحسن علی ندوی کے سفرنامہ ''دریائے کابل سے دریائے یرموک تک'' میں بھی ص: ۲۸۳ تا ۳۰۴ تک جو اشخاص، فرق وملل، اقوام وقبائل، سلطنتیں، ادارے اور تحریکات، کتابیات، مقامات، مدارس و درسگاہ، خانقاہ، مساجد، مقابر، مزارات وغیرہ کا بھرپور اشاریہ ہے اس سے محققین کو یقیناً فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

یہ سفرنامہ عمدہ اسلوب، مستند معلومات اور بہترین تفہیم کے حوالے سے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ اس میں تاریخی تفاصیل ہی نہیں کیفیات بھی ہیں، مشاہدات ہی نہیں واردات بھی ہے۔ یہ بیسویں صدی عیسوی کے آخری عشروں کے اسپین کا احوال واقعی ہے۔ پورے سفرنامے میں مصنف کے اندر ایک فطری سیاح جھلکیاں لیتا ہے، جس میں مہم جوئی بھی ہے اور تلاش وجستجو بھی جو صرف حال سے پردہ نہیں اٹھاتا بلکہ ماضی کا سفر بھی جاری رہتا ہے۔ اس طور سے دیکھا جائے تو پوری کتاب کے مطالعے کے دوران سفر اندر سفر کی کیفیت نظر آتی ہے۔ حال سے ماضی کا سفر تاریخ سے گہری واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔ زیرنظر سفرنامے میں جس طرح حال و ماضی کی طنابیں کھینچی گئیں ہیں وہ مصنف کی مہارت ہے۔ سفرناموں کے ذخیرہ تاریخ و ادب میں یہ عمدہ اضافہ ہے جس کی ضخامت مناسب اور قیمت اس سے بھی زیادہ مناسب ہے۔